ڈاکٹر محمد محمود الاسلام*

سرسید کے تعلیمی افکار میں جدیدیت کی جھلکیاں

Abstract: *This study consists of the modern educational thought of Sir Syed Ahmed Khan who was one of the greatest social reformers and a great national builder of modern India. He not only created awareness among the Muslims of Sub-continent about the significance of modern, scientific education, but he also advocated their case in front of the British Empire in a strong manner. Sir Syed inspired and encouraged people to take to modern education by establishing educational institutions. The supreme interest of Sir Syed's life was education in its widest sense. He wanted to create a scientific temperament among the Muslims of India and to make the modern knowledge of Science available to them.*

Sir Syed did preach acquiring modern education, but he never allowed any compromise on commandments of Quran and Sunnah.

Sir Syed Ahmed Khan began establishing schools, at Muradabad in 1858 and Ghazipur in 1863. A more ambitious undertaking was the foundation of the Scientific Society, which published translations of many educational texts and issued a bilingual journal in Urdu and English. Thus during a visit to England (1869-70) he prepared plans for a great educational institution. They were "a Muslim Cambridge." On his return, he set up a committee for the purpose and also started an influential journal, Tahzib al-Akhlaq "Social Reform" for the uplift and reforms of the Muslims. A Muslim school was established at Aligarh in May 1875, and after his retirement in 1876, Sir Syed dedicated himself to make it a college.

سرسید احمد خاں کو جدید دنیا کے روشن خیال لوگ نئے دور کا مجدد اور مسلمانوں کی ترقی کا راہنما سمجھتے ہیں۔ سرسید نے یورپ جا کر وہاں کے نظام تعلیم کا بغور مطالعہ کیا اور واپس آ کر قدیم و جدید کے امتزاج سے نصابات رائج کئے۔ مسلمان چونکہ انگریز اور اس کی تعلیم سے متنفر تھے اور کسی صورت اس کو قبول نہیں کر پا رہے تھے اسی لئے دینی مدارس کے مقابل سرسید اپنے وضع کردہ نصاب تعلیم کی صورت میں مسلمانوں کو مغربی تہذیب و تمدن کی طرف راغب کر رہے تھے۔

* پروفیسر، شعبہ اردو، ڈھاکا یونیورسٹی، بنگلادیش.

انگریزی لفظ "موڈرن" کا اردو ترجمہ "جدید" کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے "موڈرنازم" کے لئے جدیدیت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ (جدیدیت سے عموماً "کسی چیز کو زمانہ حال کے مطابق کرنا مراد ہوتی ہے) سماجیات میں "جدیدیت" سے وہ ارتقائی عمل مراد ہوتا ہے جس کے توسل سے قدیم سماج، جدید سماج میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ مفروضہ وقت کے حوالے سے تو صحیح ہو سکتا ہے کہ "جو کل تھا وہ قدیم تھا، جو آج ہے وہ جدید ہے" لیکن انسانی سماج کے حوالے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو ہمارا ورثہ یعنی ماضی ہے وہ آج کے مقابلے میں قدیم ہے اور آج جو بھی موجود ہے وہ سب جدید یعنی بہتر ہے۔ کیونکہ آج جو کچھ بھی موجود ہے وہ ہمارے کل کے ورثہ ہی پر مبنی ہے عموماً سماج اپنے 'کل' کے ورثے ہی پر اپنے 'آج' کی تشکیل کرتا ہے، لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ہر کل کے مقابلے میں 'آج' ہمیشہ کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتا ہے۔ یعنی اس میں کچھ نہ کچھ "نیاپن" ضرور ہوتا ہے۔ اسی "نئے پن" کو اپنانے کی تلقین ہی در اصل جدیدیت کہلاتی ہے۔

تاریخ داں "جدیدیت" سے اس عمل کو تعبیر کرتے ہیں جس کے ذریعہ کسی ملک یا سماج میں شہری زندگی اور صنعت کاری کے ساتھ تعلیم کو عام کرنے کی ابتدا ہوتی ہے۔

بہر حال "جدیدیت" کے ان مختلف لفظی، سماجی اور تاریخی انواع کے حوالہ جات کی روشنی میں اگر سر سید کے فکر و عمل کا جائزہ لیا جائے تو بخوبی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک جدید انسان تھے جو عمر بھر تقلید اور روایت پرستی کے خلاف نبرد آزماں رہنے کے ساتھ جدید علم کی تعلیم کو فروغ، دینی اور مذہبی عقائد کو عہد جدید کے تقاضوں سی ہم آہنگ کرنے میں مصروف رہے تھے۔ ۱

سر سید نے ہمیشہ "مغربیت" کے بجائے "جدیدیت" کے افکار کو اپنانے کی کوشش کی تھی۔ جس میں سب سے اہم ان کا جدید علوم کی تعلیم و تحصیل کے ذریعہ عقلیت پسندی اور سائنسی طرز فکر کو فروغ دینے کا مشن تھا۔ ۲

سر سید نے مغربی طرز کی سائنسی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جدید اسکولوں اور جرائد کا اجرا کیا۔ 1851 میں انہوں نے مراد آباد میں گلشن اسکول، 1863 میں غازی پور میں وکٹوریہ اسکول اور 1864 میں سائنسی سوسائٹی برائے مسلمانان قائم کی۔ 1875 میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج جو جنوبی ایشیا میں پہلی مسلم یونیورسٹی بنا۔ اپنے کیریئر کے دوران سر سید نے بار بار مسلمانوں کو سلطنت برطانیہ سے وفاداری پر زور دیا اور تمام ہندوستانی مسلمانوں کو اردو کو بطور زبان رابطہ عامہ اپنانے کی کوشش کی۔

سر سید احمد خان نے برصغیر کے مسلمان کی سدھار اور راہنمائی کیلئے کئی سلسلے شروع کیے۔ ادب کو پلیٹ فارم بنا کر قوم تک اپنی بات پہنچانے کا ذریعہ بنانے کیلئے اردو ادب کا رسالہ "تہذیب الاخلاق" شروع کیا اور سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی تا کہ مسلمان جدید علوم کی جانب راغب ہو کر وقت کی ضرورت کے احساس کے تحت علم کی جانب گامزن ہو سکیں۔ ادیبوں اور شعراء کو اپنے رسالے کے ذریعے پرانی ڈگر سے ہٹا کر نئی منزل کی طرف گامزن کیا۔ اردو میں قومی شاعری کا تصور سر سید احمد خان ہی کا فیضان ہے۔ انہوں نے قوم کو نئی تازہ اور ترقی پسند زندگی کی طرف مائل کرنے کیلئے ہر ممکن اقدامات کیے۔ مسلمانوں کی اخلاقی و تعلیمی زبوں حالی، طوطا مینا کی داستانوں اور شطرنج

وچو سر کے دائروں سے نکال کر اخلاق ومعاشرت کی جانب موڑنے کی بنیاد ڈالی۔ سرسید احمد خان نے 5نومبر 1859ء کو غازی پور میں مدرسوں کی سب سے پہلے بنیاد ڈال کر جدید نصاب تعلیم کو دیکھنے اور سمجھنے کیلئے 1861ء میں برطانیہ کا سفر کر کے آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں میں اپنا بیشتر وقت گزار کر یہ نتیجہ اخذ کیا تعلیم ہی کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کا مزاج، کردار اور سوچ میں تبدیلی لا کر ان کے ذہنوں کو منور کیا جاسکتا ہے۔ انگلینڈ کے دوران قیام سرسید کو اس امر کا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ کلونیل سرکار ہندوستان کے تعلیمی نظام میں کسی طرح کی تبدیلی کرنے یا بہتری لانے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے انگلستان ہی میں علوم جدیدہ کی تعلیم اور تحصیل اور روشن خیالی کے افکار کی ترویج و تشہیر کے سلسلے کے اپنے منصوبوں کو از سر نو تشکیل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اب وہ اپنے ہم وطن ہندوستانیوں کو، خود اپنے بل بوتے پر "سیلف ہیلپ" کے اصول پر، اپنی زبان کے ذریعہ، علوم جدیدہ کی تعلیم و تدریس کو رائج کرنے کی درخواست کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ:

> "اے ہندوستان کی بھلائی جاننے والو، تم کسی سے توقع مت رکھو اور خود اپنے بھروسے اور آپس کے چندے سے اپنے ملک میں تمام علوم، اعلی درجے سے ادنی درجے تک اپنی زبان میں پھیلاؤ، پھر جب تم علوم سے واقف ہو جاؤ گے اور شائستگی و تربیت تک پہنچو گے تب تمہاری نگاہ میں گورنمنٹ کی نوکریوں کی لالچ کی کچھ بھی حقیقت نہیں معلوم ہو گی۔ امید ہے کہ کسی دن ایسا ہی ہو گا۔ ایسا ہی ہو گا۔ ہو گا، ہو گا، ہو گا"۔[۳]

سرسید احمد خان سمجھتے تھے کہ تعلیم ہی قوم میں نیا جذبہ اور روشنی پیدا کرنے کا واحد ذریعہ بن سکتی ہے۔ سرسید احمد خان جہاں برصغیر کے مسلمانوں میں علمی تڑپ پیدا کرنے کیلئے اپنی مساعی جمیلہ کو بروئے کار لا رہے تھے یہاں ہندوستان کے بیشتر جریدوں میں ان کے خلاف توہین آمیز مضامین بھی شائع کرائے گئے۔ انہیں ذلیل وخوار ہی نہ کیا گیا بلکہ کفر کا فتویٰ بھی عائد ہوا۔ لیکن ان کا عزم متزلزل نہ ہوا اور بالآخر 1875ء میں علی گڑھ کے صحرا میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اس کے بعد 2 جنوری 1877ء کو وائسرائے ہند لارڈ لیٹن نے محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اس پتھر پر سرسید احمد خان نے 3 بار ضرب لگا کر کہا "میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ پتھر درست اور موزوں طرح سے نصب ہو گیا ہے۔" ہندوستان میں تعلیم کی تاریخ میں علیگڑھ کالج سب سے پہلا جدید تعلیمی ادارہ تھا۔ ایچ، اے ارگیب نے اس کالج کو اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا جدید تعلیمی ادارہ سے موسوم کیا۔ ان کا کہنا ہے:

> He (Sir Syed) founded at Aligarh in 1875 a College in which religious education should be combined with modern scientific studies, and thus established the first 'modernist' organization in Islam.[۴]

سرسید نے تعلیم ہی کو کامیابی کی کنجی تصور کیا اور وہ تعلیم ہی کو برائی بھلائی میں تمیز کرنے، قدرت الٰہی کے ایجادات و اختراعات کو سمجھنے اور اخلاق و کردار کی درستگی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ سرسید نے قوم کے لیے تعلیم کی فکر بڑے ہی اعلی سطح پر کی اور انہوں نے اپنے ذہن میں کسی چھوٹے اسکول یا مدرسہ کا خاکہ تیار نہیں کیا؛ بلکہ اس وقت کی سب سے بڑی یوروپی درسگاہوں آکسفورڈ اور کیمبرج کے طرز پر ایک ادارہ کے قیام کا ارادہ کیا اور اسی غرض سے یوروپ کا سفر کیا اس سفر کے کچھ اور بھی اہم مقاصد تھے انہوں نے وہاں کی تہذیب و تمدن، رہن سہن، اور اخلاق و کردار کا بغور مشاہدہ کیا اس سے ان کے اندر یہ جذبہ اور تڑپ اور بھی شدت اختیار کر گیا کہ ہماری قوم بھی اسی طرح ترقی یافتہ، مہذب اور آپس میں محبت و مودت کے ساتھ زندگی گزارنے والی قوم بن جائے اور ان کے اخلاق و کردار کا معیار نہایت ہی اعلی ہو جائے اور تعلیم و تربیت حاصل کر کے وہ بلند مقام پر فائز ہو جائیں، نواب عمادالملک کے نام اپنے خط میں ان احساسات و جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں "جناب مجھ کو قوم کی طرف سے اور اسکی بھلائی اور ترقی کی طرف سے بالکل مایوسی ہے لیکن اس خیال سے کہ کوشش کرنا ہمارا فرض ہے کیے جاتے ہیں"۔ ۵

مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال کی منظر کشی:

1857 کی بغاوت کے بعد مسلمانوں کے حالات تعلیمی و تہذیبی لحاظ سے ابتر ہونے لگے کیوں کہ مسلمانوں نے انگریزوں کی لائی ہوئی جدید تعلیم و تہذیب کو اپنے لیے کچھ بہتر نہ سمجھا۔ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا اس کو باعث گناہ تصور کرتے تھے۔ حتی کہ انہوں نے انگریزوں سے وابستہ تمام چیزوں کا بائیکاٹ کیا، حالاں کہ بعد کے حالات سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ محض ایک غلط فہمی تھی جس کی وجہ سے مسلمان جدید تعلیم سے یکسر دور ہوتے گئے جبکہ سرسید نے ان حالات کا ڈٹ کر نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ وہ ان تاریک حالات کے درخشاں ستارے ثابت ہوئے۔ اس سلسلہ میں ان کی کوششیں تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ چنانچہ سرسید لندن سے اپنے خط میں محسن الملک کو قوم کی تعلیمی بدحالی بیان کرتے ہوئے غایت درجہ افسردہ ہیں "افسوس کہ مسلمان ہندوستان کے ڈوبے جاتے ہیں اور کوئی ان کو نکالنے والا نہیں ہائے افسوس امرت تھوکتے ہیں اور زہر اگلتے ہیں، ہائے افسوس ہاتھ پکڑنے والے کا ہاتھ جھٹک دیتے ہیں اور مگر کے منھ میں ہاتھ دیتے ہیں اے بھائی مہدی فکر کرو اور یقین جان لو کہ مسلمانوں کے ہونٹوں تک پانی آگیا ہے اب ڈوبنے میں بہت ہی کم فاصلہ باقی ہے اگر تم یہاں آتے تو دیکھتے کہ تربیت کس طرح ہوتی ہے اور تعلیم اولاد کا کیا قائدہ ہے اور علم کیوں کر آتا ہے اور کس طرح پر کوئی قوم عزت حاصل کرتی ہے انشاء اللہ تعالی میں یہاں سے واپس آکر سب کچھ کہوں گا اور کروں گا" ۶

جدید تعلیم کی تحریک:

سرسید کی تعلیم گرچہ قدیم روایتی انداز میں ہوئی تھی مگر ان کی فطرت جدت پسند واقع ہوئی تھی۔ قدرت کی طرف سے ان کو دور اندیشی ودیعت کی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جدید فطرت سے احباب اور قوم کو مزین کرنا چاہتے تھے جس میں دیگر چیزوں

کے ساتھ جدید تعلیم پر کافی زور تھا۔ مخالفتوں کے باوجود ہمیشہ ان کی کوشش یہ رہی کہ ان کی قوم اپنی مذہبی تعلیمات کے ساتھ وہ تمام علوم حاصل کرے جن کو جدید علوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ان کے نزدیک وہ قدیم علوم جو مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں وہ بے بنیاد اور غیر اہم ہیں بلکہ صرف ان پر اکتفا کرنا عالمی تقابل میں پچھڑنے کے مترادف تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلم قوم اقوام عالم میں اپنی کم علمی کی وجہ سے پستہ قدی کا شکار ہوں۔ اس لیے ان سے اسی وقت تعلیمی اقدام میں جو کچھ بن سکا کیا۔ سائنٹفک سوسائٹی، سفر لندن، تہذیب الاخلاق اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج وغیرہ تمام اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔

1857 کے بغاوت کے بعد سرسید نے مسلمانوں کے مفادات کی بڑی جرات سے وکالت کی۔ ان کا اہم ترین کارنامہ ان کی تعلیمی کوششیں ہیں۔ سرسید کا نقطۂ نظر تھا کہ مسلم قوم کی ترقی کی راہ تعلیم کی مدد سے ہی ہموار کی جاسکتی ہے ۔ انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ جدید تعلیم حاصل کریں اور دوسری اقوام کے شانہ بشانہ آگے بڑھیں۔ انہوں نے محض مشورہ ہی نہیں دیا؛ بلکہ مسلمانوں کے لیے جدید علوم کے حصول کی سہولتیں بھی فراہم کرنے کی پوری کوشش کی۔ انہوں نے سائنس، ادب اور معاشرتی علوم کی طرف مسلمانوں کو راغب کیا۔ انہوں نے انگریزی کی تعلیم کو مسلمانوں کی کامیابی کے لیے زینہ قرار دیا تاکہ وہ دوسری قوم کے مساوی معاشرتی درجہ حاصل کر سکیں۔ دیگر تحریروں کے علاہ خطوط میں بھی ان کے تعلیمی نظریات کو جابجا دیکھا جا سکتا ہے۔

قومی اور تعلیمی اصلاح:

سرسیّد احمد خان نے 'تہذیب الاخلاق' کے مضامین میں کوشش کی کہ ہندوستان کی مختلف اقوام خصوصاً ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپس کی رنجشیں اور نفسا نفسی ختم ہو اور تمام قومیتیں ایک پلیٹ فارم پر بیٹھ کر ہندوستان کے تمام باشندوں کے لیے ان کی فلاح، ترقی کے لیے کام کریں۔ سرسیّد نے ہندو اور مسلمانوں کو ایک دُلہن کی دو آنکھیں قرار دیتے ہوئے انھیں صلح و میل ملاپ سے رہنے کی تلقین کی۔ یہی تہذیب الاخلاق کا مشن بھی تھا۔

تعلیمی اصلاح کے لیے تہذیب الاخلاق نے جو سب سے بڑا قدم اٹھایا وہ تھا مغربی علوم و فنون کی اشاعت اور مدرسۃ العلوم کے قیام کی کوشش۔ تاکہ قوم اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور اپنی قومی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کو اعلیٰ معیار تک پہنچا سکے۔ تہذیب کے مضامین میں سرسیّد نے تعلیم کی اصلاح کی کوشش کی ان کا کہنا تھا کہ اچھی تعلیم عمدہ سوسائٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنی بات کی تائید میں وہ انگلستان کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ انگلستان کا کم تعلیم یافتہ شخص بھی مہذب اور تربیت یافتہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی سوسائٹی تہذیب یافتہ ہے۔

سرسیّد نے باور کرایا کہ بے شک قدیم علوم نے عہد بہ عہد ترقی کی مگر اب قدیم علوم پر جمود کی کیفیت طاری ہے۔ لہٰذا تہذیب الاخلاق نے اس جمود کو توڑا اور تعلیمی اصلاح کے پیش نظر سرسید نے کئی ادارے قائم کیے۔ تہذیب الاخلاق کے ذریعے اسلاف کے علمی اور عقلی کارناموں کا جائزہ بھی لیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے عہد میں بے شک مقبول تھے لیکن اب وقت تبدیل ہو رہا ہے ہمیں بھی وقت کے

تقاضوں کو اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے جدید علوم و فنون حاصل کرنے چاہییں۔ تہذیب الاخلاق کی انفرادیت یہ ہے کہ جدید تعلیم کے اختیار کرنے میں جو کوششیں کیں ان میں جذبات کے بجائے عقل و شعور سے کام لے کر تعلیمی نظام میں تبدیلی کو ناگزیر بتایا۔

سر سید نے کہا کہ تعلیم کی خاص غایت اور اصل منشا یہ ہے کہ لوگ نیک محض اور عمدہ قسم کے باشندے ہو جائیں اور خاموشی حاصل کریں جو زندگی کے بے داغ رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے اور لوگوں کے سوشل اور اخلاقی خصائل کی تکمیل کر لیں اور ان بھاری اور عمدہ کاموں کا حوصلہ دلائیں جن سے ملک کی عزت اور زینت ہوتی ہے۔ ۷

سر سیّد کا کہنا تھا کہ جس طرح ماضی میں ہمارے اسلاف اپنے عہد کے جدید علوم کو حاصل کرتے رہے اور انھوں نے زمانے کی مخالفت کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اسی طرح ہمیں بھی پورے انہماک کے ساتھ جدید علوم و فنون پر توجہ کرنی ہو گی کیوں کہ ملک و قوم کی ترقی و ترویج کے لیے بہ اقتضائے زمانہ علوم جدیدہ کی تحصیل بہت ضروری ہے۔ سر سیّد کے ذہن میں جدید تعلیم کا جو خاکہ تھا اسے اُنھوں نے تہذیب الاخلاق میں پیش کیا۔ تہذیب الاخلاق کے ذریعے سر سیّد نے یہ ذہن نشین کرایا کہ جدید تعلیم ہی قوم کی سماجی، معاشی اور تہذیبی ترقی کے لیے مددگار اور معاون ہو سکتی ہے۔

معاشرتی و تہذیبی مضامین:

تہذیب الاخلاق کے اجرا کا مقصد ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو کامل درجے کی تہذیب Civilization اختیار کرنے پر راغب کرنا تھا، معاشرے کی سوکھی اور بنجر زمین پر جدید تعلیم کا بیج آسانی سے نہیں بویا جا سکتا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ یہ فالتو خس و خاشاک کو صاف کر کے زمین کو ہموار کیا جائے۔ تہذیب الاخلاق کے بنیادی مقاصد میں جدید تعلیم کی ترویج و اشاعت کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ ہندوستانی معاشرہ بہت سی برائیوں میں مبتلا تھا۔ تہذیب الاخلاق کا بنیادی کام یہی تھا کہ وہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دُور کرے اور اپنے مضامین کے ذریعے سماجی اور اخلاقی زندگی میں ایک زبردست انقلاب برپا کرے۔ تہذیب و معاشرت کے حوالے سے تہذیب الاخلاق میں لکھے جانے والے مضامین کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ تہذیب الاخلاق نے اخلاق و معاشرت کی بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کو موضوعِ بحث بنایا مثلاً میزبان کو مہمان کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ وقت کی پابندی، رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات، رہن سہن، طرزِ گفتگو، کاہلی، خوشامد وغیرہ۔ یہ باتیں سماجی اور معاشرتی انقلاب کے لیے ضروری تھیں۔

تعلیمی مضامین:

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے بعد تعلیمی نظام میں بتدریج تبدیلیاں آنا شروع ہوئیں ۔ انیسویں صدی میں قدیم طرزِ تعلیم میں بڑے بڑے ذی علم پیدا ہوئے۔ جن میں راجہ رام موہن رائے، ماسٹر رام چندر، سر سیّد احمد خان، مولوی ذکاء اللہ، نذیر احمد وغیرہ۔ یہ تمام درخشاں ستارے قدیم طرز کے چشمۂ علمی سے سیر اب ہوئے مگر جب انھیں مشرقی علوم کے زوال پذیر ہونے کا احساس ہونے لگا تو وقت کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ قدیم تہذیب کے پروردہ جدید تعلیم کی افادیت کو شدّت سے محسوس کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ جدید

تعلیم کا اثر و نفوذ بڑھنے لگا مگر اس کی ایک بڑے طبقے نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ عام ہندوستانی مسلمانوں کو حکومت کی تعلیمی پالیسی کا احساس نہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ قدیم نظام تعلیم میں ان کے سیرت و کردار کی تشکیل کا سانچہ ہے۔

''تہذیب الاخلاق'' وہ سیڑھی بنا کہ جس پر چڑھ کر قوم نے جدید تعلیمی منازل کے نقوش دیکھے اور اپنی راہوں کی سمت کا تعین کیا۔ تہذیب الاخلاق کے تعلیمی مضامین کو چار حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) قدیم تعلیم ــــ اس کا مفید یا غیر مفید ہونا۔ (۲) جدید تعلیم اور اس کی افادیت۔ (۳) تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور

(۴) اقامت گاہوں کے قیام کی تجویز اور ان کے فوائد۔

قدیم تعلیم:

تہذیب الاخلاق کے مضامین میں قدیم تعلیم کی سب سے بڑی خاصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی حد تک اس سے تقلید کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ قدیم تعلیم کی شریعت میں اسلاف سے اختلاف کرنا حرام سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح طلبا کے اندر آزادئ رائے اور قوتِ ارادی مفقود ہو جاتی ہے۔ سر سیّد نے تہذیب الاخلاق میں قدیم طرزِ تعلیم میں مناسب تبدیلی پر زور دیا۔ وہ اس کے مخالف نہ تھے، صرف تبدیلی برائے ترقی چاہتے تھے۔

جدید تعلیم:

تہذیب الاخلاق نے عوام کے سامنے جو تعلیمی خاکہ پیش کیا وہ قدیم تعلیم سے بالکل مختلف تھا۔ سر سیّد نے تہذیب الاخلاق میں اپنے مضامین کے ذریعے جدید علوم کے فوائد کا تذکرہ کیا ہے۔ علوم جدیدہ میں بھی سر سیّد نے جدید علوم کی افادیت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ ۸

تربیت:

تہذیب الاخلاق کے پرچوں میں تعلیم سے زیادہ تربیت اور عمدہ ماحول پر زور دیا گیا ہے۔ تربیت اطفال، بچّوں کی تربیت، ان کی ذہنی نشو و نما، شخصیت کی تشکیل پر بہترین و عمدہ مضمون ہے۔ سر سیّد نے عملی طور پر مدرسۃ العلوم میں تربیت کا خاص اہتمام کیا۔

اقامت گاہوں کا قیام، اقامتی زندگی کے فوائد:

سرّسید کے تعلیمی مشن میں اقامت گاہوں کے قیام کی تجویز بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ سرّسید نے لکھا ہے کہ عمدہ سوسائٹی طلبا کو کالج کی اقامتی زندگی میں مل سکتی ہے۔ سر سیّد نے بورڈنگ ہاؤس کو قوم بنانے کی مشین کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بورڈنگ ہاؤس وہ مشین ہے جس کے پُرزے اگر صحیح ڈھنگ سے اپنا کام نہ کریں تو مشین اپنا کام کرنا چھوڑ دے گی اور طلبا اس مشین کے پُرزے ہیں۔

سائنسی و علمی مضامین:

تہذیب الاخلاق کے سائنسی و علمی مضامین میں کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے قدیم سائنسی و علمی کارناموں کو یاد دلا کر انھیں جدید سائنس و ٹیکنالوجی کی جانب راغب کیا جائے۔ تہذیب الاخلاق سے پہلے سر سیّد "سائنٹیفک سوسائٹی" قائم کر چکے تھے یہ سوسائٹی اپنا کام بہتر طریقے سے انجام دے رہی تھی۔ تہذیب الاخلاق کے لکھنے والوں نے سائنس و ٹیکنالوجی کی افادیت کو بار بار قوم کے سامنے پیش کیا۔ تہذیب الاخلاق کے کئی مضامین ایسے ہیں جہاں سائنس کے انکشافات بیان ہوئے ہیں۔ تہذیب الاخلاق کے علمی مضامین لکھنے والوں میں مولوی ذکاء اللہ کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ علم مناظر کے چٹکلے، آپ کا ایک اہم مضمون ہے۔ تہذیب الاخلاق کے سائنسی اور علمی مضامین نے آنے والی نسلوں کی ذہنی رہنمائی ان کے افکار کو جلا بخشی انھیں غور و فکر کی نئی راہیں دکھائیں۔ سر سیّد کی تحریک کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں میں سائنس داں پیدا ہوئے جنھوں نے قوم کا نام روشن کیا۔

سر سید نے کہا کہ ہمارے لئے سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے یورپین لٹریچر اور یورپین سینز میں اعلی سے اعلی درجہ کی ترقی کریں۔ جہاں تک ہم کو یونیورسٹی کے سچے خطاب حاصل ہو سکتے ہیں حاصل کریں اور اس سے بھی زیادہ ہم میں ہمت ہو آکسفورڈ و کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کو جائیں۔ اعلی سے اعلی درجہ کی ڈگریاں حاصل کرنے میں کوشش کریں۔ اپنے تئیں مہذب و تعلیم یافتہ جنٹلمین اس کے اصلی و حقیقی معنوں میں بنائیں اور جو فیض تعلیم و تربیت و تہذیب ہم نے ان مہذب ملکوں میں حاصل کیا ہو اس کو اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں میں پھیلائیں۔۹

تاریخی و تحقیقی مضامین:

تہذیب الاخلاق میں کئی موضوعات پر لکھا گیا یہ تہذیب الاخلاق کے لکھنے والوں کا ہنر تھا کہ انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اسے وسیع، مؤثر اور کارگر بنانے کی وسیع کوشش کی۔ تہذیب الاخلاق کے تاریخی مضامین اپنی جگہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

غرض سر سیّد احمد خان کی زندگی کا مقصد مسلمان قوم کو تعلیمی و علمی میدان میں آگے لانا اور ان کو ترقی کی راہ ہموار کرانا تھا۔ سر سیّد احمد خان کی زندگی ان کی طرز تحریر کی ایک بڑی خوبی بن کر اُبھرتی ہے جس کا ان کی تصانیف سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے زمانے کی تنقید بے راہ روی کو چھوڑ کر اپنی قوم کے لیے اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

موجودہ صورت حال میں سرسید کو خراج عقیدت اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ قوم کے رہنما اور دانشور سرسید جیسے فہم وفراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے عہد حاضر اور مستقبل کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر قوم کی تعلیمی ترقی کیلئے قلیل مدتی اور طویل مدتی منصوبے تیار کریں، تاکہ مسلم قوم ۲۱ویں اور ۲۲ویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔

حوالہ جات:

۱۔ افتخار عالم خاں پروفیسر، سرسید اور جدیدیت، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی 2013، صفحہ 51-52

۲۔ ایضا، صفحہ 52

۔ سرسید احمد خان، مسافران لندن، علیگڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، کراچی، 1996، صفحہ 203 ۳

۴۔ Gibh, H. A. R. Mohammedanism, London, Oxford University Press, 1935, P. 181

۵۔ شیخ اسماعیل پانی پتی، مکتوبات سرسید، صفحہ 350

۶۔ ایضا، صفحہ 90

۷۔ محمد اسماعیل پانی پتی مولانا، مقالات سرسید، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم، اپریل 1991، صفحہ 7

۸۔ ایضا، صفحہ 12

۹۔ ایضا، صفحہ 41

☆☆☆☆☆